Fikr-o-Nasar (Islamabad) 8:1 (1970)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ؕ

نظرات

اسلام ہی انسانیت کے لئے اللہ کا ایک پسندیدہ و مکمل دین ہے جس کے سوا کوئی دین نہ دنیا میں غالب ہو سکتا ہے نہ عند اللہ مقبول، یہ دین مسلسل حرکت و جہاد کا داعی ہے اور انہی لوگوں کے لئے اللہ کی راہوں تک پہنچنے کی ضمانت دیتا ہے جو حق تک پہنچنے کے لئے پیہم جدوجہد کرتے رہتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کا عمل دیکھ کر ہمیں یہ نتیجہ نکالنے میں دیر نہیں لگے گی کہ صدر اسلام کی حیرت انگیز کامیابیوں اور فتوحات کا راز یہی تھا کہ وہ دین اللہ کے بخشے ہوئے خالص و سادہ اصولوں کو اپنا کر تمام نئے پیش آنے والے مسائل کو ان ہدایات کی روشنی میں اجتہاد کے ذریعہ طے کرتے چلے جاتے تھے، لیکن جوں جوں زمانہ گزرتا گیا لوگ دین کی اصل قوت محرکہ سے دُور ہوتے گئے اور مختلف شخصیتوں، ان کے کارناموں اور ان کے طریقوں کو دین میں شامل کرتے چلے گئے اور نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اس بار تلے دب کر اپنی قوتِ محرکہ سے محروم ہو گئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرزِ عمل سے متنبہ کرتے ہوئے صحابہ کرامؓ سے فرمایا تھا: "تم اپنی پیشرو اقوام کی پوری پوری پیروی کرو گے"۔ یعنی جس طرح انھوں نے اپنے دین کی حیات بخش تعلیمات پر رسم و رواج، عصمتِ اسلاف، اتباعِ ہوٰی اور سرمایہ پرستی کے دبیز حجابات ڈال کر دین کے رہنما اصولوں کو فراموش کر دیا تھا یہ امت بھی وہی طریقہ اختیار کرے

© Dr Muhammad Hamidullah Library, IIU, Islamabad. http://iri.iiu.edu.pk/

گی۔ شاید رسول اللہؐ کی اسی پیشگوئی کی شرح کرتے ہوئے محترم مولانا سعید احمد اکبر آبادی، صدر شعبۂ دینیات علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، و مرتب "برھان" نے گزشتہ سال پاکستان کا دورہ کرتے ہوئے ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی کی ایک علمی مجلس میں کہا تھا:۔

"تاریخی عوامل مسلسل کام کرتے رہتے ہیں جس طرح باقی مذاہب عالم تاریخی عوامل کا شکار ہوئے، اسلام بھی ان کی زد سے نہ بچ سکا۔ . . . . ہر مذہب آغازِ کار میں چند اصولوں کا داعی بن کر اٹھتا ہے پھر ان اصولوں کی بنیاد پر ایک معاشرہ معرضِ وجود میں آتا ہے اور پھر اس معاشرہ اور قوم کی ایک تاریخ بنتی ہے، کچھ عرصہ تک وہ قوم ان رہنما اصولوں کی روشنی میں اپنے مسائل حل کرتی رہتی ہے لیکن بعد میں اس قوم کی تاریخ اس کے اصولوں کی جگہ لے لیتی ہے اور وہاں سے اس قوم کی بدبختی کا آغاز ہو جاتا ہے۔ ہر مذہب کے ساتھ یہی ہوا، اور یہی مذہب اسلام کے ساتھ ہوا۔"[1]

اسلام صلح و آشتی اور محبت و سلامتی کا دین ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ" یعنی مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور اس کے ہاتھ سے مسلمانوں کو کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ اسلام میں تمام وہ کام حرام ہیں جن سے انسانوں میں فتنہ و فساد پھیلے اور تمام وہ کام مطلوب ہیں جن سے انسانیت امن و سلامتی اور فلاح و بہبود تک پہنچ جائے، اللہ تعالیٰ انبیاء کو واضح تعلیمات کے ساتھ بھیجنے اور ان پر کتابیں اور عدل و انصاف کا پیمانہ (میزان) نازل کرنے کا مقصد یہ بیان فرماتا ہے کہ لوگ امن و سلامتی اور عدل و انصاف پر مبنی زندگی گزار سکیں (۵۷/۲۵) خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بعثت کا مقصود بتاتے ہوئے فرمایا:

بعثت لأتمم مکارم الاخلاق۔	مجھے اس لئے رسول بنا کر بھیجا گیا ہے کہ میں اخلاق فاضلہ کی تکمیل کر دوں۔

چنانچہ آپ دیکھیں گے کہ قرآن مجید معروف کا حکم دیتا ہے اور منکر سے روکتا ہے، وہ جب

---

[1] ماہنامہ "فکر و نظر" بابت اگست ۱۹۶۹ء صفحہ ۴ ۱۵

کسی کام کے کرنے کا حکم دیتا ہے تو اس لئے کہ انسانوں میں امن و سلامتی اور عدل و انصاف باقی رہے اور جب کسی کام سے منع کرتا ہے تو اس لئے کہ انسانوں میں ظلم و فساد اور بدنظمی و انتشار نہ پھیلنے پائے جب وہ کہتا ہے کہ آپس میں اپنا مال ناحق نہ کھاؤ تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ایسا کرنے سے انسانوں کو ان کے پورے پورے حقوق نہیں ملتے اور عدل باقی نہ رہنے کی وجہ سے ان کے معاشرہ میں توازن باقی نہیں رہتا۔ جب رسول اللہؐ فرماتے ہیں: "لا دین لمن لا عھد لہ" یعنی جو عہد و پیمان پر پورا نہ اترے اس کا کوئی دین نہیں تو اس سے دراصل یہ بتانا مقصود ہے کہ کامیاب معاشرہ وہی ہوتا ہے جس میں لوگوں کو ایک دوسرے پر اعتماد ہو۔ اور وہ باہمی تعاون سے ہمہ گیر بھلائی کے لئے جد و جہد کرتے رہیں۔

آیئے اس تمہید کو ذہن میں رکھ کر ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک مختصر لیکن جامع تر حدیث پر غور کریں اور دیکھیں کہ ہم اس حدیث کے مطلوبہ تقاضے اپنی زندگی کے تمام گوشوں میں کس حد تک پورے کر رہے ہیں۔ آپؐ کا وہ حکیمانہ فرمان یہ ہے:

الایمان بضع وسبعون شعبۃ و	ایمان کے ستّر سے اوپر درجے ہیں۔ ان میں
افضلھا قول لا الہ الا اللہ و ادناھا	سب سے افضل لا الہ الا اللہ کہنا ہے اور ان میں
اماطۃ الاذیٰ عن الطریق۔	سب سے ادنیٰ درجہ راستہ سے دکھ دینے والی چیز
	کو دور کر دینا ہے۔

غور کیجئے اس حدیث میں ایمان کے ستّر سے اوپر مدارج میں سے ایک تو سب سے بلند و افضل درجہ بتایا گیا ہے اور دوسرا سب سے کمتر اور ادنیٰ درجہ۔

اعلیٰ ترین درجہ وہ ہے جس سے انسانی عظمت کا تعلق اللہ کی ذات بلند و برتر سے جا ملتا ہے اور انسان کو اپنے اور اللہ کے درمیان کوئی قوت حائل نظر نہیں آتی وہ صرف اللہ کو اپنا معبود مانتا ہے، اس کا کسی کو شریک نہیں گردانتا، ہر طاقت جو اللہ اور بندہ کے درمیان حائل ہونا چاہے وہ اس کا انکار کرتا ہے، وہ کسی قوت کو اللہ کی قوت سے بلند و بالا نہیں سمجھتا، وہ ہر اس طاغوت کا دشمن بن جاتا ہے جو اللہ کی راہ میں رکاوٹ بنتا ہے، اس کا سر اللہ کے حکم کے مقابلہ میں کسی غیر اللہ کے سامنے نہیں جھکتا، وہ نہ خواہشات کی بندگی کرے گا نہ

دولت و رسم و رواج کی، وہ نہ انسانوں کو رب بنائے گا نہ شیطانوں کو۔

انسانوں کے درمیان اس کلمہ کے اعتراف سے ایک ایسی مساوات پیدا ہوجاتی ہے جس سے وہ اپنا صحیح مقام پالینے کے بعد ایک دوسرے پر حکمرانی کرنے کے بجائے ایک دوسرے کے بھائی بن جاتے ہیں، یہ کلمہ محبت و عداوت کا ایک ایسا پیمانہ دیتا ہے جس کے بعد عدل و حق کی راہ میں نہ قوم و وطن کی محبت حائل ہوتی ہے نہ اہل و عیال کی، انسان اللہ کا ہو جاتا ہے اور اس کے سامنے صرف ایک ہی مقصد ہوتا ہے، اللہ کا بتایا ہوا مقصد، لوگوں میں عدل و انصاف کا قیام۔ بنی نوع انسان کی بھلائی۔ اور اس راہ میں نہ سیاسی اغراض حائل ہوتی ہیں نہ ذاتی اغراض، بلکہ ہماری سیاست، اقتصاد و تجارت، علم و صنعت، حتیٰ کہ ہر عمل اور ہر حرکت کا مقصد اللہ کی رضاجوئی ہو جاتا ہے۔ الغرض یہ کلمہ ہمیں مسلسل خیر پر مائل رکھنے میں لامتناہی قوتیں بخشتا ہے۔

اب لیجئے اس فرمانِ رسولؐ کا دوسرا حصہ جس میں ایمان کا آخری درجہ یہ بتایا گیا ہے کہ راستہ سے تکلیف دہ چیز کو دُور کر دینا۔

اس میں ایک بڑا تصور یہ ہے کہ ہر فرد یا قافلۂ انسانیت مسلسل راستہ پر چلا جا رہا ہے اور وہ ثابت نہیں متحرک ہے۔ پھر یہ کہ ایمان کی وجہ سے ہم سب کا فرض ہے کہ جہاں کسی کی راہ میں کوئی مشکل یا کوئی ایسی تکلیف پیش آجائے جس سے فرد یا جماعت کی پیش قدمی رک جائے تو اس رکاوٹ کو زائل کر دیا جائے۔

اگر ایک فرد کو لغزش سے بچانے کے لئے اس کی راہ سے کانٹا یا کیلے کا چھلکا ہٹا دینا ایمان کا تقاضا ہے تو یاد رکھیئے ایمان کا تقاضا اسی پر ختم نہیں ہو جاتا۔ ایک مسافر کے راستہ سے سفر کی صعوبتیں دُور کر دینا، ایک طالب علم کے راستہ سے تعلیمی رکاوٹیں دُور کر دینا، ایک مریض کے راستہ سے علاج کے موانع دُور کر دینا، ایک ننگے بھوکے کے راستہ سے اس کی مشکلات ہٹا دینا، ایک مظلوم کے سامنے سے ظلم کا پہاڑ ہٹا دینا، ایک طالب حق کی راہ سے حق روکنے والی قوت کو دفع کر دینا بھی ایمان کا تقاضا ہے۔

یہی نہیں بلکہ قوموں کی ترقی، فلاح و بہبود اور امن و سلامتی کی راہ میں ڈاکہ مارنے والوں

کو ناکام بنانا، امتوں کی بیماریوں کی چارہ سازی کرنا، مختلف پیشہ ور جماعتوں کو ان کے کاموں میں مدد پہنچانا، بھی ایمانی فریضہ ہے۔ حق و انصاف کی آواز کو روکنے والے خواہ وہ کسی رنگ میں ہوں، جہالت و بیماری کو پھیلانے والے اسباب خواہ وہ کسی نام سے ہوں، انسانیت کو اللہ کی بخشی ہوئی آزادیوں سے محروم کرنے والے خواہ وہ کسی روپ میں ہوں قافلۂ انسانیت کی راہ کے روڑے ہیں انہیں راستہ سے ہٹانا ہمارے ایمان کا تقاضا ہے اور یاد رکھیئے کہ انسانیت کو یہ سہولتیں فراہم کرانا ایمان کا ادنیٰ درجہ ہے۔ جس فرد یا قوم میں یہ جذبہ نہ ہو وہ آگے بڑھنے اور ترقی کرنے کے حق سے محروم رہ جاتی ہے۔ وہ نہ اپنا حق لے سکتی ہے نہ دوسروں تک حق پہنچا سکتی ہے۔ دوسرے الفاظ میں وہ منجمد اور مردہ ہے۔ اگر ہم ایسا نہیں کرتے تو اس کا صاف مطلب یہ ہوگا کہ ہم ایمان سے محروم ہیں۔ اعاذنا اللہ منھا۔

یہ ہیں ایمان کے اعلیٰ اور ادنیٰ دو مدارج کے تقاضے، اور یہ مدارج فرمانِ رسولؐ کے مطابق ستر سے زیادہ ہیں۔ اندازہ لگائیے کہ اس اعلیٰ درجہ اور ادنیٰ درجہ کے درمیان ایمان کے کیا کچھ تقاضے ہوں گے اور انسانی معاشرہ کی فلاح و بہبود کے کون کون سے مدارج ہوں گے؟ یہی وہ ایمان کی ذمہ داریاں تھیں جن کی وجہ سے صحابہ کرام نہایت تندہی اور سرگرمی سے ہمہ گیر خیر و فلاح اور مفاد عامہ میں منہمک رہتے تھے اور انہیں ہر دم اپنے ایمان کے زائل ہونے کا اندیشہ لگا رہتا تھا۔

اگر ہمیں قافلۂ اسلام کو تیز رفتار کرنا ہے تو ایک طرف تو ہمیں اپنی تاریخ کو دینی اصولوں سے علیٰحدہ کر کے اصر و اغلال کے فضول بوجھ سے نجات حاصل کرنا ہوگی۔ دوسری طرف ہمیں اپنے ایمان کے تقاضوں کو نہایت ذمہ داری سے پورا کرنے کے لئے مسلسل جہاد اور پیہم عمل کا مسلک اختیار کرنا ہوگا۔